حضرت مفتی صاحبؒ سے میرے علمی تعلقات

از مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

مشہور اسلامی رائٹر مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کا پیش نظر مضمون اگرچہ حضرت مفتی صاحبؒ سے قاضی صاحب کے تعارف اور علمی قرابت و تعلق کے عنوان پر لکھا گیا ہے لیکن اس کا بیشتر حصہ اُن مکاتیب پر مشتمل ہے جو قاضی صاحب کی مختلف تالیفات سے متعلق وقتاً فوقتاً حضرت مفتی صاحبؒ نے خود تحریر فرمائے تھے اور حقیقتاً یہی خطوط و مکاتیب اس پورے مقالہ کی بہارِ جانفزا ہیں۔ یہ خطوط بجائے خود حضرت مفتی صاحبؒ کے نہایت حسین و دلپذیر اُسلوب نگارش کے آئینہ دار ہیں اور ان کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر زندگی کی فرصتوں نے مفتی صاحبؒ کو خالص علمی اور ادبی کاموں تک محدود رہنے کا موقعہ دیا ہوتا تو بلاشبہ ان کے ہاتھوں ادب و انشاء کا ایک تاج محل تعمیر ہوسکتا تھا اور علوم و معارف کے خزانوں میں ایک بیش بہا اضافہ — مرتب

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دید و ملاقات کا

شرف مجھے زمانۂ طالب علمی ہی سے حاصل تھا، اُن دنوں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور اپنے باحوصلہ اور متحرک ناظم استاذی مولانا حضرت شکر اللہ صاحبؒ کی وجہ سے علماء وفضلاء اور اربابِ سیاست کا مرکز بن رہا تھا۔ آئے دن علمی، مذہبی اور سیاسی جلسے جلوس ہوا کرتے تھے، جن میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور دیگر علماء ومشاہیر آیا کرتے تھے، ان میں حضرت مفتی صاحب بھی ہوا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ندوۃ المصنفین نیا نیا قائم ہوا تھا، اس کا مجلہ برہان اور وہاں کی مطبوعات پابندی سے مدرسہ میں آتی تھیں اور ہم ان سے استفادہ کیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب اور وہاں کے مصنفین سے خصوصی عقیدت کا تعلق تھا۔

اسی دوران میں ایک مرتبہ ندوۃ المصنفین کے دفتر واقع قرول باغ میں حضرت مفتی صاحبؒ سے نیاز حاصل ہوا۔ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تکمیل کے لیے ایک سال رہا، اور وہیں سے دہلی گیا تھا، چوں کہ زمانۂ طالب علمی میں میرے اشعار اور مضامین رسالہ "قائد" مرادآباد میں شائع ہوتے تھے جو ہمارے بزرگوں کی نظر میں وقیع اور معلوماتی ہوتے تھے، اس لیے حضرت مفتی صاحبؒ نے ازراہ بندہ نوازی مجھ سے فرمایا کہ برہان کے لیے مضامین لکھا کریں، میں کور کسر درست کر دوں گا۔

فراغت کے بعد مدرسہ احیاء العلوم میں تین چار سال تک مدرسی کی، پھر امرتسر گیا اور وہاں سے لاہور پہنچا، جہاں تقریباً تین سال رہا، اسی دوران میں ملک تقسیم ہوا اور لاہور جانا نصیب نہ ہو سکا۔ کسی معقول جگہ کی تلاش تھی، کئی دروازوں پر دستک دی مگر کامیابی نہیں ہوئی، آخر میں مفتی صاحبؒ کو لکھا

کہ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل بنائے گئے، آپ ان کے پاس میرے لیے سفارش لکھ دیں تاکہ مجھے کوئی جگہ مل جائے۔ مفتی صاحبؒ نے جواب دیا کہ آپ میرے حوالے سے مولانا اکبر آبادی کو لکھیں اگر کوئی جگہ ہوئی تو آپ کو ضرور لے لیں گے، میں نے اس مشورہ پر عمل کیا اور مولانا اکبر آبادی صاحب کا جواب آیا کہ آپ کی درخواست آنے سے دو چار دن پہلے ایک صاحب کا تقرر ہو گیا ہے، اس لیے معذوری ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے مشورہ پر میں کلکتہ تو نہیں جا سکا مگر بعد میں ان ہی کے مشورہ پر بمبئی گیا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ کی طرف سے ناامیدی کے بعد میں نے اس سلسلہ میں بعض اداروں اور جماعتوں کا چکر کاٹا مگر ہر طرف ناکامی رہی، ان ہی دنوں حضرت مفتی صاحب کے ہمدرس اور دوست مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؒ (پارلیمنٹری سکریٹری حکومت یو، پی) کی نگرانی میں بہرائچ سے ہفتہ وار اخبار جاری ہوا جس کی ادارت مجھے مل گئی، مگر یہ اخبار ایک سال بھی نہیں چل سکا، جوں توں سال پورا کر کے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرسی کر لی۔ جہاں حضرت مفتی صاحبؒ اور ان کے اساتذہ شاندار تدریسی خدمت انجام دے چکے تھے، بلکہ ان ہی حضرات نے وہاں کے مدرسہ تعلیم الدین کو جامعہ اسلامیہ بنایا تھا، مگر یہاں بھی ایک سال سے زیادہ رہنا نصیب نہیں ہوا، آخر بمبئی جا کر پناہ ملی۔

صورت یہ ہوئی کہ جمعیۃ علماء صوبہ بمبئی کے روح رواں جناب حکیم اعظمی (مولانا حکیم فصیح اللہ خاں صاحب اعظمی مرحوم) "زمزم" لاہور اور "انصار" بہرائچ میں میرے اشعار و مضامین دیکھتے تھے اور ہموطن ہونے کی نسبت سے غائبانہ محبت رکھتے تھے، کبھی کبھی مراسلات بھی اشاعت کے لیے میرے پاس بھیجدیا

کرتے تھے، جب میں ہر طرف سے مایوس ہوگیا تو ان کو لکھا کہ میں بمبئی آنا چاہتا ہوں، آپ اس سلسلہ میں میرا تعاون فرمائیں۔ میرا یہ خط جمعیۃ علماء بمبئی کے دفتر میں جس وقت پہنچا حسنِ اتفاق سے وہاں حضرت مفتی صاحبؒ اور استاذی حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ بھی موجود تھے جو ایک وفد کے ساتھ حج کو جارہے تھے، ان دونوں بزرگوں نے حکیم اعظمی صاحب سے فرمایا کہ یہ شخص بڑے کام کا ہے، حالات سے مجبور ہے، آپ بلالیں، بمبئی جیسے شہر میں کوئی نہ کوئی مناسب جگہ مل ہی جائے گی، چنانچہ ان حضرات کے مشورہ کے مطابق حکیم اعظمی صاحبؒ نے مجھے بمبئی بلالیا، یہ واقعہ ۱۹۵۰ء کا ہے۔

اس کے بعد مسلسل ایسے حالات پیدا ہوتے رہے کہ مفتی صاحبؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ بار بار بمبئی آتے رہے اور زیادہ زیادہ دنوں تک قیام کرتے رہے۔ روزنامہ "جمہوریت" کا اجراء ہوا جو جمعیۃ علماء کی پالیسی کا ترجمان تھا اور ان ہی بزرگوں کے مشورہ سے مجھے اس کے ادارۂ تحریر میں شامل کیا گیا اسی زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے انگریزی اخبار جاری کرنے کا منصوبہ تیار ہوا اور بمبئی سے زیادہ سے زیادہ تعاون کی صورت نکالی گئی نیز ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح بمبئی کے مسلمانوں کے حالات الجھے ہوئے تھے اور طرح طرح کے معاملات و مسائل درپیش تھے، پورٹ حج کمیٹی بمبئی اور حج و حجاج کے معاملات تھے نیز ہنگامی اور وقتی مسائل پیدا ہوتے رہتے تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے مشیر خاص اور دست راست کی حیثیت سے بمبئی آیا کرتے تھے، دونوں حضرات ایک دوسرے کے رفیق محترم تھے، ان حضرات کا قیام مستقل طور سے بمبئی کے ایک بزرگ حاجی عبداللہ عرب سمکری مرحوم کے دولت کدہ واقع خان منزل، محلہ کھانڈیا میں ہوتا تھا حاجی صاحب

نہایت بزرگ ، نیک نفس اور علماء کے عاشق و خادم تھے نسلاً ہندوستانی تھے
مگر پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور زندگی کا بیشتر حصہ اسی دیارِ پاک میں گزرا تھا
ان کا لب ولہجہ عربیت لیے ہوتے تھا، میرا بھی ان سے خاص تعلق تھا۔ میری پہلی
کتاب "حیات جمیلہ" انھوں نے دو ہزار کی تعداد میں چھاپ کر لوجہ اللہ مفت
تقسیم کی تھی۔ حاجی عبد اللہ عرب صاحب کے مکان پر ان دونوں حضرات
سے ملنے لیے شہر اور باہر کے لوگ آیا کرتے جن میں اکثر اپنے اپنے معاملات
پیش کرتے تھے اور کچھ لوگ بلا غرض ان حضرات کی مجلسی گفتگو میں شریک
ہوا کرتے تھے ، یہ مجلسیں صبح دس بجے تک اور رات میں بارہ بجے تک رہا کرتی
تھیں ، جن میں مختلف موضوعات پر علمی ، دینی ، سیاسی ، ملکی ، قومی ، جماعتی
باتیں ہوتی تھیں ، ان خصوصی مجلسوں میں چند مخصوص اہل علم اور ارباب فہم و
فراست شریک ہوتے تھے اور مختلف موضوعات پر کھل کر باتیں ہوتی تھیں جن کا
عنوان خالص دینی و علمی ہوتا تھا ، میں عام طور سے کوئی موضوع چھیڑتا اور یہ
حضرات اس کے بارے میں معلومات کے دریا بہاتے تھے اور پوری مجلس استفادہ
کرتی تھی ، بمبئی کی یہ مجلسیں دینی و علمی اعتبار سے یادگار ہیں ، ان کے خصوصی شرکاء
میں سے مولانا مفتی عبد العزیز صاحب بہاری ، مولانا حکیم اعظمی ، جناب طاہر انصاری
جناب محمد بیگ چغتائی ، حاجی عبد اللہ صاحب سکری ، حاجی یحییٰ محمد زبیر صاحب ضیا مالیگانوی
مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ اور مفتی صاحبؒ کی طرح اللہ کو پیارے ہو گئے۔
اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں رکھے اور مغفرت فرمائے۔ محترم مولانا مرزا
سیف اللہ صاحب ، محترم مصطفےٰ فقیہ صاحب اور بعض دیگر حضرات بقید
حیات رہ گئے ہیں جو ان یادگار مجلسوں کے امین ہیں ، اللہ تعالیٰ ان کو تادیر زندہ
اور سلامت رکھے۔

اسی زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام اور بمبئی کے مشہور و مخیر میمن خاندان محمد احمد برادرس کے زیر انتظام آل انڈیا دینی تعلیمی کانفرنس کا تاریخ ساز اجلاس صابو صدیق مسافر خانہ بمبئی میں ہوا جس میں پورے ہندوستان سے علماء و فضلاء اور اہل مدارس شریک ہوئے، اس دینی تعلیمی کانفرنس کے روح رواں **مفتی** صاحبؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ تھے اور اس کی کامیابی میں محترم الحاج احمد غریب صاحب اور ان کے تینوں بھائیوں کے مالی تعاون اور انتھک کوشش کو پورا پورا دخل تھا۔ اس سلسلہ میں رسالہ "البلاغ" بمبئی کا عظیم الشان تعلیمی نمبر نکالا گیا جو ہندوستان کے مدارس اسلامیہ کے لیے تاریخی دستاویز ہے۔ مہینوں پہلے سے **مفتی** صاؔ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بمبئی تشریف لایا کرتے تھے اور ان کا قیام حاجی عبداللہ عرب سکری کے یہاں ہوتا تھا، وہیں محفل جمتی تھی اور ہم لوگ اس میں بڑے ذوق و شوق اور باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔

اس زمانہ میں میرے مضامین و مقالات بمبئی کے روزنامہ جمہوریت، روزنامہ انقلاب اور ماہنامہ البلاغ میں شائع ہوتے تھے اور حضرت **مفتی** صاحبؒ کی نظر سے گزرتے تھے، نیز **مفتی** صاحب اس صورت حال سے واقف تھے جو روزنامہ جمہوریت سے ترک تعلق کے سلسلہ میں پیدا ہوئی تھی اور مجھے بمبئی سے اکھاڑنے کی کوشش کی گئی تھی جس میں میرے بہی خواہ میری مظلومیت پر ترس کھا رہے تھے اور بدخواہ بغلیں بجا رہے تھے **مفتی** صاحب اس معاملہ میں وقتی طور سے میرے خیر خواہ تھے، اگرچہ اس سے ان کو کوئی تعلق نہیں تھا آخر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا تاسیسی اجلاس بڑی شان و شوکت سے بمبئی میں ہوا جس میں دیگر حضرات کی طرح **مفتی** صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا

اور حضرت قاری محمد طیب صاحب کے وصال کے بعد اس کے صدر بھی بنائے گئے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے سلسلہ میں بھی مفتی صاحب اکثر بمبئی تشریف لایا کرتے تھے، پھر حج کمیٹی کے نائب صدر ہونے کی حیثیت سے بمبئی آنا جانا رہا کرتا تھا، ان تقریبات میں مفتی صاحبؒ کو بہت قریب سے دیکھنے اور ان کے اوصاف و کمالات سے واقف ہونے کے مواقع ملے، چوں کہ مفتی صاحبؒ ایک مشہور و مستند علمی و تحقیقی اور تصنیفی ادارہ کے ناظم تھے اس لیے مجھے ان سے ملنے جلنے اور قربت حاصل کرنے میں علمی لذت محسوس ہوتی تھی مفتی صاحب بھی مجھے خصوصی التفات سے نوازتے تھے اور بڑی قدر و محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، میں اپنے چھوٹوں اور بڑوں سے ملنے جلنے میں بے تکلف ہوں مگر مفتی صاحب کے رکھ رکھاؤ، وضعداری اور خلوص و محبت کی وجہ سے میں ان سے بے تکلّف نہ ہوسکا، بلکہ ان کے لطف و کرم کے سامنے شرمندہ ہی رہا کرتا تھا اور وہ میری شرمندگی کا احترام کرتے تھے، فرماتے تھے، آپ کے ہمارے تعلقات رسمی نہیں عزیزانہ ہیں۔

میرے علمی و تحقیقی اور تصنیفی کاموں کے زبانی قدردان اور منہ پر تعریف کرنے والے اکابر و اصاغر میں بہت سے لوگ ہیں مگر حقیقی قدردان صرف چند مخصوص بزرگ اور اہل علم تھے یعنی استاذی مولانا سید محمد میاں صاحبؒ مولانا ابوالوفا افغانی صاحبؒ صدر لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد، مولانا شاہ معین احمد ندوی صاحبؒ دار المصنفین اعظم گڈھ، مولانا عبدالماجد صاحبؒ دریابادی اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ عثمانی ندوۃ المصنفین دہلی رحمہم اللہ، ان بزرگوں میں مفتی صاحبؒ نے ندوۃ المصنفین سے میری آٹھ کتابیں اپنے شاندار مقدمات کے ساتھ شائع کرکے عملاً میری

قدر دانی اور ہمت افزائی فرمائی ۔ اس وقت میری کتابوں پر ان کے مقدمات سے کچھ عبارتیں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے ان کے میرے علمی تعلقات کی نوعیت معلوم ہوتی ہے ، اس سے پہلے یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ میری علمی نشو و نما بے آب و گیاہ صحرا کے اُس پودے کے مانند ہوئی ہے جو تیز دھوپ اور تُند جھونکوں میں رہ کر سرسبز و شاداب ہوا میں مدرسہ سے جیتا جاگتا دل و دماغ لے کر نکلا مگر کسی ادارہ یا شخصیت سے مجھے آگے کی راہ نہ مل سکی ، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ، اساتذہ کی دعا اور اپنی جد و جہد سے میں نے آگے بڑھ کر اپنی راہ نکالی اور جب چل پڑا تو دو شخصیتوں نے آگے بڑھایا۔ میری پہلی کتاب "رجال السند والہند" کو الحاج احمد غریب صاحب مرحوم (محمد احمد والاخوان المیمنین بمبئی) نے زرِ کثیر صرف کر کے مصری ٹائپ میں چھپوائی اور اس کتاب کی وجہ سے پورے ملک کے علمی حلقوں میں میرا تعارف ہوا۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے ندوۃ المصنفین سے میری کتابیں اپنے شاندار مقدمات کے ساتھ شائع کر کے میری علمی خدمات کو عام کیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ دو شخصیتیں مجھے نصیب نہ ہوتیں تو میں اپنی کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں ہاتھ پیر مارتا ہی رہتا۔

رجال السند والہند ، القصد الثمین ، اور الہند فی عہد العباسیین کے علاوہ میں نے اپنی کتابوں پر کسی سے مقدمہ ، تعارف اور پیش لفظ نہیں لکھوایا مندرجہ بالا تینوں کتابوں پر بعض عرب علماء و فضلاء اور شعراء کے مقدمات ہیں انھوں نے بڑے حوصلہ اور انشراح سے میری محنت کی داد دی ہے ہمارے علماء میں یہ حوصلہ بہت کم ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے چند الفاظ و کلمات سے کتاب اور مصنف کی حیثیت اُن کے مقام و مرتبہ سے بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

اس لیے تنگ نظری اور بخل کی حد تک احتیاط کرتے ہیں، پہلی بات تو یہ تھی۔ دوسری بات یہ کہ ہم محنت کر کے کتاب لکھیں اور رات دن ایک کر کے اس کے نوک پلک درست کریں پھر دوسروں سے اس کا سرنامہ لکھوانے جائیں، یہ بات مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں ہے، کتاب میں جان ہوگی تو وہ خود اپنا مقام بنالے گی، ورنہ دوسرے کے مقدمہ کی مہمیز بے کار ہے، اس لیے مفتی صاحبؒ نے ندوۃ المصنّفین کے ناظم اور ناشر ہونے کی حیثیت سے میری کتابوں پر جو کچھ لکھ دیا وہی میرے لیے کافی ہے اور ماشاء اللہ ایسا لکھا کہ شاید دوسرا کوئی عالم کتاب کی قدر و قیمت اور مصنف کی خدمت و محنت کا اعتراف اس قدر شاندار انداز میں نہیں کر سکتا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور صاف کر دینی ہے، میں نے کبھی علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، ملازمت کے زمانہ میں جو ملا لے لیا۔ حالاں کہ یہ زمانہ میری سخت آزمائش کا تھا۔ اسی طرح اپنی کتابوں کی قیمت وصول نہیں کی۔ جواز اور عدم جواز کی بحث سے یکسو ہو کر میرا یہ نظریہ رہا ہے اور اسی پر میں نے عمل کیا، ابتدائی دور میں لاہور میں ایک مختصر سی کتاب پر پچاس روپیہ حق تصنیف لیا تو آج تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ چھپی یا نہیں، پھر یہ غلطی نہیں کی۔ حتیٰ کہ مصر اور پاکستان میں اس کی پیش کش پر صاف انکار کر دیا، یہی معاملہ مفتی صاحبؒ کے ساتھ بھی رہا، ان کی پہلی ہی پیش کش پر میں نے کوئی رقم لینے کے بدلے کچھ کتابیں لے لیں اور پھر یہی سلسلہ چلتا رہا، کتاب لکھ کر بیچنا اہل علم کی شان نہیں ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا زیادہ دے دیا ہے کہ کتابوں کی رائلٹی سے اس کا عشر عشیر بھی نہیں مل سکتا تھا، یہ بھی ملحوظ رہے کہ میں جماعتی عصبیت، گروہی تحزب اور شخصیت پرستی سے دور رہا ہوں، اگر میں اپنی

کتابوں پر پیسے لینے کے چکر میں رہتا تو شاید ایک آدھ کتاب چھپ جاتی، باقی مسودے بہت سے اہل علم کی کاوشوں کی طرح کیڑے مکوڑوں کی نذر ہو جاتے اس لیے میں نے اپنی ہر کتاب آزاد رکھی ہے جس کا جی چاہے چھاپے۔

اب میری کتابوں پر مفتی صاحبؒ کے مقدمہ یا پیش لفظ کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں، اس سے اندازہ ہوگا کہ مفتی صاحبؒ میری کتابوں کے قدردان اس لیے نہیں تھے کہ میں ان کو مفت دیا کرتا تھا بلکہ اس لیے تھے کہ ان میں علم و تحقیق اور کدوکاوش تھی اور ان کا مصنف اس کا مستحق تھا، ساتھ ہی اس سے مفتی صاحب کے اسلوب تحریر، ادبی ذوق اور صاف ستھرے انداز بیان کا پتہ بھی چلے گا۔

(۱) سب سے پہلی کتاب "عرب و ہند عہد رسالت میں" ۱۳۸۴ھ، ۱۹۶۴ء میں ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی، مفتی صاحب بمبئی تشریف لائے تھے، میں نے مسودہ دیا اور کہا کہ اگر یہ کتاب ندوۃ المصنفین کے معیار و مزاج کے مطابق ہو تو شائع کر دیں۔ مفتی صاحبؒ نے مسودہ ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا کہ ضرور شائع ہوگی، آپ کی کتاب اور ندوۃ المصنفین کے معیار کے مطابق نہ ہو؟ پھر اسی سال شائع کر دیا اور اس کے مقدمہ میں لکھا۔

> "عرب و ہند عہد رسالت میں" ندوۃ المصنفین سے شائع کر کے مجھے خاص مسرت ہو رہی ہے۔ مجلہ "معارف" میں اس کے بعض ابواب کے مطالعہ کا اتفاق ہوا تھا اور اسی وقت سے خیال تھا کہ ایسی معلوماتی اور نفیس کتاب کی اشاعت اسی ادارے سے ہونی چاہیے شکر ہے کہ اس کا وقت آگیا، لائق مؤلف نے ان مقالات پر نہ صرف وسیع نظر ثانی کی ہے بلکہ متعدد ابواب کا اضافہ بھی کیا ہے اور

اس طرح اپنے موضوع پر یہ کتاب نادر معلومات کا گنجینہ ہوگئی ہے۔۔۔
فاضل مؤلف عربی زبان کے بہت اچھے ادیب ہیں اور ان کا یہ ذوق طبعی اور فطری ہے اس لیے قدرتی طور پر بہت سی پیچیدہ اور اجنبی عبارتوں کا ترجمہ نہایت صاف اور بے تکلف کیا ہے۔

(۲) میری کتاب " اسلامی ہند کی عظمت رفتہ " کے مقدمہ میں لکھا کہ امید رکھنی چاہیے کہ موصوف کی تازہ ترین عربی تالیف العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین کا اردو ترجمہ بھی اسی ادارے سے شائع ہوگا، اس طرح تاریخ کے ان گنجہائے گراں مایہ سے ہر طبقے کے لوگ استفادہ کر سکیں گے۔ اور اس کا افادہ عام ہو جائے گا، بڑھاپے میں قدرتی طور پر رخش عمر کی تیز گامی کا احساس بڑھ جاتا ہے، اس لیے خاص طور پر میری خواہش ہے کہ یہ علمی کام پہلی فرصت میں مکمل ہو جائے۔ الحمد للہ کہ مفتی صاحبؒ کی یہ آرزو پوری ہوگئی اور اس سلسلہ کی آخری کتاب پر بستر مرگ پر مقدمہ لکھوا کر دنیا سے گئے۔ جب " خلافت راشدہ اور ہندوستان " کے عنوان سے اس سلسلہ کی پہلی کتاب چھپنے کی باری آئی تو نہایت انشراح سے مفتی صاحبؒ نے مقدمہ میں لکھا۔

خوشی کی بات ہے کہ ندوۃ المصنفین کے لائق اور مخلص رفیق مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی اہم تاریخی کتاب العقد الثمین کا اردو ترجمہ جدید ترتیب و تہذیب سے آراستہ ہوکر ایک مستقل تالیف کی صورت میں شائع ہو رہا ہے، موصوف نے بہت سی قیمتی معلومات اور غیر معمولی اضافوں کے بعد کتاب کو تین جداگانہ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، پہلا حصہ یہی " خلافت راشدہ اور ہندوستان " ہے۔

باقی دو حصے "خلافت امویہ اور ہندوستان" اور "خلافت عباسیہ اور ہندوستان" اس کے بعد شائع ہوں گے۔ ان تینوں حصوں اور پہلی تین کتابوں "عرب و ہند عہد رسالت میں"، "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" اور "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" کی اشاعت کے بعد بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ عرب و ہند کے قدیم تعلقات کے موضوع پر یہ ذخیرہ ایک لاجواب تاریخی ذخیرہ بن گیا ہے اور اب اس کو گراں قدر اور بیش بہا علمی دستاویز کی حیثیت سے میدان تاریخ کی وسعتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ....

ایک بات بہرحال صاف ہے کہ فاضل مولف کی مسلسل محنت اور تلاش و جستجو سے عرب و ہند کے روابط کے بے شمار گوشے اپنی گوناگوں خصوصیات کے ساتھ سامنے آگئے ہیں۔ کتاب کے جستہ جستہ ٹکڑوں کے مطالعہ کے بعد مجھے یہ ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ یہ سلسلۂ تصنیف وقت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرے گا اور اعلیٰ علمی حلقوں میں اس کی اہمیت ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے گی۔

(۲) "خلافت امویہ اور ہندوستان" ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی میں نے اس کا مسودہ ۱۳۹۲ھ میں دیدیا تھا مگر ہنگامی مشکلات کی وجہ سے اس کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی، اس کے مقدمہ میں مفتی صاحب نے لکھا۔

عرب و ہند کے تعلقات پر اردو میں سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب شائع ہوتی تھی اور علمی حلقوں میں اس کو بہت سراہا گیا تھا۔ اس کی اشاعت کے پچاس سال بعد مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے اس میدان میں قدم رکھا اور واقعہ یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا

مولانا نے کئی سال کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد متعدد کتابیں تیار کیں جو پچھلے چند برسوں میں ندوۃ المصنفین سے شائع کی گئیں، "عرب و ہند عہد رسالت میں" اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" کی تالیف کے بعد موصوف نے اس سلسلہ کو اور آگے بڑھایا، نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اس کو محققانہ رنگ دے کر عرب و ہند تعلقات کے مختلف ادوار کی نشاندہی کی، اس عرق ریز کوشش اور سلیقۂ ترتیب و تہذیب کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت راشدہ سے عباسی دور تک کے ہندوستان اور عرب کے تہذیبی، سماجی اور تاریخی روابط پوری طرح نکھر کر سامنے آگئے اور تاریخ کے چہرے پر جو غبار جم گیا تھا وہ صاف ہو گیا....

فاضل مولف نے ان بیانات اور مباحث کی ترتیب میں اموی دور حکومت اور ہندوستان کے تعلقات کے مختلف گوشوں کو جس دیدہ وری سے ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی ہے، اس کا صحیح اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

(۴) خلافت عباسیہ اور ہندوستان ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی، اس کا مقدمہ حضرت مفتی صاحبؒ نے بستر مرگ پر لکھوایا تھا جو غلطی سے کتاب کے آخر میں چھپ گیا ہے، اس سلسلہ کی یہ ان کی آخری تحریر ہے اور اسی کتاب پر اسلامی ہند کی عربی تاریخ نویسی کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

۱۹۶۵ء میں ندوۃ المصنفین سے "عرب و ہند عہد رسالت میں" شائع ہوئی، اس کے بعد "خلافت راشدہ اور ہندوستان"، "خلافت امویہ اور ہندوستان"، "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" اور

"اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" کی اشاعت وقفہ وقفہ سے ہوتی رہی اور اب "خلافت عباسیہ اور ہندوستان" کی باری آئی ہے، اس طرح سترہ سال کی مدت میں ہندوستان کی خالص اسلامی عربی تاریخ پہلی بار نہایت محققانہ انداز میں سامنے آئی، ترتیب و تسلسل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس سلسلہ کی آخری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" ہوتی جس کی اشاعت پہلے ہی ہو چکی ہے، بہرحال اس علمی و تحقیقی خدمت کے نتیجہ میں فاضل مؤلف مولانا قاضی اطہر مبارکپوری اور ادارہ ندوۃ المصنّفین دونوں ہی ایک قرضہ سے سبکدوش ہوئے واقعہ یہ ہے کہ موصوف نے اس ملک کی خالص اسلامی عربی تاریخ کے موضوع کو اپنی علمی و تحقیقی کاوشوں کا محور بنا کر جو کارنامہ انجام دیا ہے، وہ ہر اعتبار سے لائقِ تحسین ہے اور ان کی ان گراں قدر تصانیف کو اسلامی تاریخ کا بیش بہا اور نادر خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب مؤلف اس بے آب و گیاہ صحرا میں تنہا چلے اور جب منزل مقصود پر پہنچے تو اپنے ساتھ باغ و بہار کا ایک پورا قافلہ لے کر آئے .... "خلافت عباسیہ اور ہندوستان" بھی پچھلی کتابوں کی طرح تحقیق و تلاش کی تھکا دینے والی جد و جہد کا نتیجہ ہے اور کتاب ہر اعتبار سے معیاری ہے......... فاضل مؤلف نے اس کتاب میں خاص طور سے ہندوستان کے علم و علماء کے بارے میں بڑی کاوش کی ہے اور بتایا ہے کہ اس دور میں یہاں کے کن کن شہروں میں علماء و محدثین کے تعلیمی حلقے قائم تھے اور بیرونی ممالک میں کون کون حضرات علمی سرگرمی دکھا رہے تھے۔ کتاب کا یہ

سے شائع ہوئی، یہ آٹھ مقالات کا مجموعہ ہے جو اسلامی ہند کی بعض اہم قدیم شخصیات اور یہاں کی اسلامی تاریخ سے متعلق ہیں، اس کے مقدمہ کی ابتدا میں مفتی صاحبؒ نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کے خطبہ (سیشن رام گڑھ ۱۹۴۰ء) کا ایک طویل اقتباس دے کر لکھا ہے۔

میری رائے میں زیر نظر مقالات کا یہ مجموعہ اور فاضل مؤلف کی پچھلی دونوں کتابیں "عرب و ہند عہد رسالت میں" اور "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" مولانا آزاد کے اس اجمالی بیان کی دل پذیر تشریح و تفصیل کرتی ہیں، جن کو پڑھ کر اس ملک میں مسلمانوں کے بابرکت دور کے تمام نقوش ابھر کر سامنے آجاتے ہیں اور ان کے شاندار کارناموں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، بے رحم سیاست اور تعصب و تنگ نظری کی ان اندھیریوں میں اس رنگ کی محققانہ تالیفات کا مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ ملک کے تمام صاف دل و دماغ رکھنے والے باشندوں کے لیے سرمۂ بصیرت کا کام دے گا، اور اس سے بہت سی غلط فہمیوں کے بادل صاف ہوجائیں گے، مجھے خوشی ہے کہ قاضی صاحب محترم کی یہ تینوں اہم تاریخی دستاویزیں ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئیں۔

(۷) مآثر و معارف ۱۳۹۱ھ، ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی، یہ پچیس خالص دینی اور علمی مقالات کا مجموعہ ہے مفتی صاحبؒ نے اس کے مقدمہ میں بعض مقالات پر خاص طور سے اظہار خیال فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

عام رواج کے مطابق کسی مؤلف کے متفرق مضامین کی یکجا اشاعت کا اہتمام اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ تصنیف و تالیف کے دشوار

گزار مرحلوں سے گزر کر بحیثیت مصنف شہرتِ عام کی حدود میں داخل ہوجاتا ہے، اس لحاظ سے دیگر خصوصیات کے علاوہ جناب مولف کی یہ خصوصیت بھی غیر معمولی بلکہ لائق رشک ہے کہ ان کے مقالات کا مجموعہ جن کی تحریر کی ابتدا شاید ۱۹۴۹ء سے ہوئی ہے ندوۃ المصنفین جیسے بلند پایہ علمی ادارے سے شائع ہو رہا ہے، غالباً یہ ان کے قلم کی برکت اور خلوص کا نتیجہ ہے . . . . مقالوں میں ہر مقالہ اپنی خاص نوعیت کے اعتبار سے قیمتی معلومات کا خزانہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مواد فراہم ہوجائے.... یہ چند سطور قاضی صاحب کی تعمیل حکم اور وضع قدیم کو باقی رکھنے کے لیے لکھی گئی ہیں کہ یہ کتاب بھی میرے مختصر تعارف سے کیوں خالی رہے؟ ان مضامین کے جستہ جستہ حصوں کے مطالعے کے بعد قلب نے جو بات محسوس کی وہ یہ ہے کہ انشاء اللہ اس علمی اور دینی ذخیرے سے اہل علم بھرپور نفع اٹھائیں گے اور عام اصحاب ذوق بھی، اسی احساس کا اثر ہے کہ یہ مجموعہ اس مشکل وقت میں اس قدر جلد شائع ہو رہا ہے۔ .... "تدوین حدیث" کے موضوع پر بے شمار مضامین اور ضخیم ضخیم کتابیں شائع ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں جن کے مقابلہ میں اس چھوٹے سے مقالے کی نسبت وہی ہے جو قطرے اور سمندر میں ہوتی ہے، لیکن مقالہ نگار نے دریا کو جس کاوش اور سلیقے سے کوزے میں بند کرنے کی سعی کی ہے، اس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جنھوں نے اس مسئلے کی تلاش و جستجو میں بڑی بڑی کتابوں کی خاک چھانی ہے۔

(۸) دیارِ یورپ میں علم و علماء، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی، اس کے

تعارف میں مفتی صاحبؒ نے جو کچھ لکھا اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

قاضی صاحب نے "عرب و ہند عہد رسالت میں" "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" "خلافت راشدہ اور ہندوستان" "خلافت امویہ اور ہندوستان" جیسی تاریخی کتابیں لکھ کر علمی حلقوں میں اپنا لوہا منوالیا ہے اور اب ان کا شمار ہمارے ملک کے مستند مورخوں میں ہو گیا ہے۔ زیرِ نظر تالیف بھی مختلف حیثیتوں سے ایک اہم تاریخی تالیف ہے، اس میں ملک کے پوربی علاقوں الٰہ آباد، صوبہ اودھ، جون پور وغیرہ کے اصحاب علم و فضل اور ان کے علمی اور اصلاحی کارناموں کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے......... فاضل مؤلف مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے سالہا سال کی محنت اور تلاش و تیقین کے بعد ایک نفیس تحقیقی کتاب مرتب کردی، مضامین پر سرسری نظر دوڑانے سے اندازہ ہوا کہ کتاب صرف خشک تاریخی واقعات کی کھتونی نہیں ہے بلکہ اس میں ان علاقوں کی سات سو سال کی علمی تاریخ کو فلسفۂ تاریخ کی کسوٹی پر گھسنے کی کوشش کی گئی ہے، ہر دور کی حکومت اور اس دور کے اہل علم اور مشائخ کے روابط و تعلقات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے، مضامین کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کتاب کی ترتیب میں کم و بیش پچاس کتابوں سے مدد لی گئی ہے اور کئی سو عنوانات قائم کر کے تحقیق کا حق ادا کیا گیا ہے۔

میری متعدد کتابوں پر حضرت مفتی صاحبؒ کے مقدمات اور ان اقتباسات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مرحوم نے کتنی وسیع الظرفی، عالی حوصلگی، اور علمی قدردانی کے ساتھ خورد نوازی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ ❊

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانیٔ ندوۃ المصنفین مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں
ماہنامہ برہان کے مفکرِ ملت نمبر کا
جشنِ اجراء

افتتاح: عزت مآب ڈاکٹر شنکر دیال شرما
نائب صدر جمہوریہ ہند

صدارت: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مہمان خصوصی: عزت مآب محمد الذٔوَیبی سفیر مصر

تاریخ: ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۷ء سہ شنبہ

وقت: چار بجے شام

مقام: ایوانِ غالب۔ ماتا سندری لین نئی دہلی

علماء کرام و ارباب فکر و دانش مفتی صاحب کو خراج عقیدت پیش کریں گے

آپ سے شرکت کی استدعا ہے

چشم براہ:

حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی کلکتہ
مولانا قاضی اطہر مبارک پوری مدیر اعزازی رسالہ برہان
مفتی شوکت علی فہمی ایڈیٹر رسالہ دین دنیا
حکیم عبدالحمید متولی ہمدرد فاؤنڈیشن (رفیق خاص مفتی صاحبؒ)
قاضی سجاد حسین سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی
محمد یونس سلیم
میر مشتاق احمد
خواجہ حسن ثانی نظامی
مولانا سید احمد بخاری شاہی نائب امام جامع مسجد دہلی
حکیم حفیظ الرحمٰن کوچہ رحمٰن دہلی
ڈاکٹر مالک رام صدر انجمن ترقی اردو ہند
محمود عثمانی پبلسٹی ڈپارٹمنٹ ہمدرد دواخانہ
پروفیسر ڈاکٹر خلیق انجم جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند
سید شریف الحسن نقوی ایڈوائزر اردو اکیڈمی دہلی
مولوی سید انیس الحسن ہاشمی

منتظرین:

عمید الرحمٰن عثمانی کنوینر
جمیل مہدی ایڈیٹر رسالہ برہان دہلی
قاری محمد ادریس امام جامع مسجد نئی دہلی
عنیب الرحمٰن عثمانی
نجیب الرحمٰن عثمانی
محمد اظہر صدیقی
حکیم محمد عرفان حسینی کلکتہ
محسن عثمانی ندوی
راحت ہاشمی
ثاقب عزیز
مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مالیرکوٹلہ
اطہر صدیقی
ریحان احمد عباسی

ماہنامہ بُرہان کی تاریخی اشاعت

مُفکرِ ملّت

مفتی عتیق الرحمٰن عُثمانی نمبر

قاضی اطہر مبارکپوری
۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
۲ جنوری ۱۹۸۸ء
شنبہ

نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

مُدیرِ اعزازی

قاضی اطہر مبارکپوری

مُرتّب

جمیل مہدی

باہتمام عمید الرحمٰن عثمانی

جنرل منیجر ندوۃ المصنفین و ماہنامہ بُرہان، اردو بازار، دہلی

خلیق